اردو ادب اور آزادی کے تقاضے

ہارون

Haroon

Ph.D Scholar, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

ڈاکٹر محمد ارشد اویسی

Dr. Muhammad Arshad Ovaisi,

Head, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Urdu literature has been playing a vital role in Pakistan since 1947. It has given importance to justice, education and tolerance. Literature has a deep relationship with society. When a society gets a status then its literature also gains importance. In this research article an effort has been made to show the deep relationship between a society and its literature. Literature can lead a society towards improvement and social justice. Writers of literature are vital charactrers of any society. They not only lead a society in all circumstances but aslo fix a target to achieve for a nation. Deterioration and conflict prevailing in our society is due to the lack of tolerance. This menace can be cured by the help of literature. For this purpose our critics and writers are ready to play this role for the betterment of our nation.

انسان جوں جوں ارتقا کی منزلیں طے کرتا گیا، اس کے شعور، تہذیب وتمدن اور ثقافت کے ساتھ ساتھ اس کے علوم وفنون میں بھی مسلسل اضافہ ہوتا گیا۔ خاص طور پر جب یورپ میں صنعتی اور فرانس میں سیاسی انقلاب برپا ہوا تو مغربی دنیا کے افکار ونظریات اور معاشی واقتصادی مسائل میں ایک

عظیم تغیر بر پا ہوا۔ صرف یہی نہیں سائنسی میدان میں اور اس کے مختلف شعبوں میں علوم وفنون کے بہت سے نئے گوشے اور لاتعداد نئے پہلو پیدا ہوئے۔ ماضی کی مروجہ اقدار اور روایات میں انسانی فکر و نظر اور قول و فعل سے ایک انقلاب بر پا ہوا۔ ذہنی جمود، قدامت پسندی، رجعت پرستی اور روایات کی حدود و قیود ایک ایک کر کے ٹوٹتی چلی گئیں۔ انسان کی سوچوں کو نئی راہ ملی اور انسان اپنی تاریخ اور تہذیب کے نئے نئے پہلوؤں سے آشنا ہوا۔

اس کی سوچ نے نئی نئی راہیں تلاش کیں۔ ماضی کی جکڑ بندیوں سے رہائی پائی۔ اس کا اثر لازمی طور پر شعر و فن اور ادبیات پر بھی ہوا۔ اس سے پہلے ادب اور فن صرف بڑوں کی جاگیر تھا۔ یہ صرف بڑے بڑے سرمایہ داروں، امرا، رؤسا اور بادشاہوں کی بزم آرائیوں تک ہی محدود کر دیا گیا تھا۔ شاعر، ادیب اور فن کار انھی آستانوں پر جبہ سائی کرنے اور مخصوص و محدود طبقے کی مسرتوں کے امین تھے۔ گویا ماضی کا ادب زندگی کا ترجمان تو تھا مگر یہ کینوس بڑا محدود اور مخصوص تھا۔ ادب کی ان حدود میں عوام کا داخلہ ممنوع تھا۔ حصول حظ اور تکمیل مسرت صرف طبقہ اشراف کا حق تھا اور وہ یہ حق کسی نچلے طبقے کے انسان کو دینے کے حق میں نہیں تھے۔

دورِ جدید کے علوم وفنون میں جب انقلاب آیا تو ادب کی پرانی قدروں کو بھی دھچکا لگا۔ اب ادب امرا، جاگیرداروں اور بڑے لوگوں کی اجارہ داری نہ رہا بلکہ ان کی گرفت سے نکل کر ادب عوام کے احساسات جذبات کی زینت بنا۔ اس عہد میں طے ہوا کہ ادب زندگی کا ترجمان ہے۔ اس ادب نے امرا کے محلوں سے غریب کی جھونپڑی میں سسکتی ہوئی زندگی کو بھی اپنا موضوع بنایا۔ اس طرح ادب کو اس کا حقیقی مفہوم ملا۔ ادب کے لفظ پر غور کیا جائے تو اس کا کچھ یوں مفہوم سامنے آتا ہے۔ ’’علمی اردو لغت‘‘ کے مطابق:

> ’’ادب: (۱) عادات و مذاق میں اعلیٰ معیار یا اخلاقی اصولوں کی پابندی، شائستگی، تہذیب، تمیز (۲) کسی کی عظمت یا بزرگی کا پاس۔ حفظِ مراتب احترام (۳) نظم ونثر اور ان کے متعلقات (۴) زبان کا سرمایہ لٹریچر (۵) پسندیدہ طریقہ، ڈھنگ، قاعدہ، ضابطہ، سلیقہ (۶) تہذیب جو ایک قوم کو دوسری قوم سے ممتاز کرے۔ دھتکارنے کی آواز، کتے کو ہٹانے اور قرینے سے بٹھانے کے لیے تادیباً کہتے ہیں (۷) حیا، شرم (۸) عجز و نیاز، خاکساری، فروتنی۔‘‘(۱)

مندرجہ بالا مفہوم کو پیشِ نظر رکھ کر دیکھا جائے تو ادب کی کوئی جامع تعریف نہیں کی جا سکتی کیوں کہ اس کے بے شمار پہلو ہیں۔ تعریف یعنی توصیف، مدح کسی چیز کا حلیہ بیان کرنا صفت یا پہچان ہے۔ کسی بھی چیز کی تعریف کو ہم مکمل تعریف نہیں کہہ سکتے کیوں کہ ہر چیز میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے:

''ادب، چونکہ لفظوں کی ترتیب و تنظیم سے وجود میں آتا ہے اور
لفظوں میں جذبہ وفکر بھی شامل ہوتے ہیں۔اس لیے کہا جا سکتا ہے
کہ لفظوں کے ذریعے جذبے، احساس یا فکر و خیال کے اظہار کو
ادب کہتے ہیں۔''(۲)

ادب، ہم اس تحریر کو کہتے ہیں جو فنی طور پر بھی حسین ہو اور جو اپنے معنی و مفہوم سے قطع نظر قاری کو الفاظ کے آہنگ یا اسلوبِ تحریر کی خاصیت سے دل چسپی اور فرحت بخشے:

''فن کار کی شخصیت اتنی اہم ہے کہ جہاں فن کار جذبے سے بالکل
کٹ کر کچھ قانونی قسم کے فیصلے دیتا ہے۔ وہاں بھی وہ قاری کو
جمالیاتی طور پر متاثر کر سکتا ہے۔شرط یہی ہے کہ فن کار کو ہر بات
معلوم ہو کہ اسے جو کچھ کہنا ہے وہ اس طرح ترغیب اور تشویش کے
انداز میں کہتا ہے کہ بات قاری کے درِ گوش پر دستک دے اور فوراً
دل میں اتر جائے۔''(۳)

ادب دراصل ایسے لکھے ہوئے مواد کو کہتے ہیں جو اپنے اندر جذبہ اور احساس رکھتا ہے۔اس کی بہت سی اصناف ہیں مثلاً نثر، نظم، غزل، قصیدہ، مرثیہ، ڈراما، افسانہ، آپ بیتی، سفر نگاری، مثنوی، تاریخ نگاری، ناول نگاری، سوانح نگاری اور داستان وغیرہ۔ان پر ادبا و شعرا کی خدمات آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہوتی ہیں۔ایسا ادب زندگی کی تمام حقیقتوں کا عکاس ہوتا ہے۔وہ روایت سے بھی کسب فیض کرتا ہے اور حال کی صحیح عکاسی کر کے روشن مستقبل کی نشان دہی کرتا ہے۔زندگی ایک عبوری اور ارتقائی حقیقت ہے۔ادب بدلتی زندگی کی ہر روح کو خود میں جذب کر کے اپنے مختلف اسالیب کے ذریعے عوام کے سامنے پیش کرتا ہے۔وہ زندگی سے بہت کچھ لیتا بھی ہے اور بہت کچھ دیتا بھی ہے۔ میتھیو آرنلڈ نے ادب کو اسی لیے تفسیرِ حیات، تعمیرِ حیات، تنقیدِ حیات اور تطہیرِ حیات قرار دیا۔اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ادب کا کام محض زندگی کی تاریخ لکھنا یا اس کی تعبیر و تشریح کرنا انھیں ہوتا۔ درحقیقت ادب زندگی سے ہی سرمایۂ تخلیق اخذ کرتا ہے کیوں کہ ادیب بھی معاشرے کا فرد ہے۔وہ معاشرے میں ہونے والی مختلف تبدیلیوں سے پہلے خود متاثر ہوتا ہے پھر اپنی تخلیق سے اس کی ترجمانی کرتا ہے۔

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ادب کا فریضہ محض زندگی کی تاریخ لکھنا یا اس کی تعبیر و تشریح کرنا نہیں بلکہ ادیب کی آنکھ اشیا کی گہرائی اور کائنات کی وسعت تک دیکھ سکتی ہے۔معاشرے میں پائے جانے والے عدم توازن اور عدم برداشت پر جب اس کی باریک بین نگاہ پڑتی ہے تو وہ اپنی فن کاری سے معاشرے کی بنیادوں تک کو ہلا دینے کی قوت رکھتا ہے۔ وہ عدمِ مساوات، استحصال،

ظلم، زیادتی اور سسکتی اور بلکتی ہوئی انسانیت پر ہونے والے جبر وتشدد کا نہ صف ادراک واحساس کرتا ہے بلکہ اس سے نجات دلانے اور نجات پانے کی سعی بھی کرتا ہے۔ عوام کی نئے شعور اور نئی اقدار کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس طرح وہ گویا تطہیر حیات کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ زندگی کے جسم سے فاسد مادوں کا اخراج کر کے اسے نئی حیات، نئی قوت اور نئے عزائم عطا کرتا ہے جس سے قافلۂ حیات نئی جہتوں کی جانب گامزن اور رواں دواں ہو جاتا ہے۔ اس طرح ادب، زندگی کا نقاد بھی بن جاتا ہے۔ انسان کے لیے بہتر زندگی کا تصور ادب ہی کا عطا کردہ ہے۔ ادب کی نگاہ میں جغرافیائی حدود، سیاسی قیود اور رنگ و نسل کا امتیاز بے معنی ہے۔ انسانیت کہیں بھی ظلم و بربریت کی چکی میں پس رہی ہو۔ ادیب کی آنکھ اشک فشاں ہو جاتی ہے۔ دنیا میں ظلم وستم کا بازار کہیں بھی گرم کیا جائے۔ ادیب اپنی تخلیق کے توسط سے احتجاج وہاں پہنچا دیتا ہے:

خنجر چلے کسی پہ تو تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے(۴)

وطن عزیز اس وقت جن مسائل سے نبرد آزما ہے۔ ان کے حل کے لیے ادب کو اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے نبھانی ہے۔ اس نے رنج والم اور مشکلات پہ قانون پانے کے لیے شعور اور آگہی کو بیدار کرنا ہے۔

وطنِ عزیز کو مدِ نظر رکھ کر جب ادب کا کردار متعین کیا جاتا ہے تو بجا طور پر شاعر اور ادیب کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ ادیب کے فرائض منصبی میں یہ بھی شامل ہے کہ معاشرتی انصاف کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنی تخلیق کو با مقصد بنائے۔

ادب کا یہ کردار کہ وہ عصری شعور وآگہی فراہم کرتا ہے جتنا ماضی میں اہم تھا اس سے زیادہ آج بھی اہم ہے۔ اقبال کی شاعری نے اپنے عہد میں بھی اور بعد کے ہر عہد کے لیے جینے کی امنگ اور حوصلے کی تعلیم دی۔ اس نے جوانوں کو ایک با مقصد زندگی گزارنے کی نہ صرف ترغیب دی بلکہ اقبال نے عملی طور پر ان کی رہنمائی بھی کی۔ سر سید احمد خاں، الطاف حسین حالی، مولانا عبدالحلیم شرر اور مولانا شبلی نعمانی نے جو تخلیقات پیش کیں۔ ان میں مقصدیت کا عنصر واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ یہی بات ڈپٹی نذیر احمد کی تخلیقات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اگر اس دور کی عکاسی کے لیے ان ادبا اور شعرا نے مقصدیت کو پیشِ نظر رکھا تو آج کے ادیب کے سامنے بھی موجودہ عہد کے جدید تقاضے ہیں۔ آج بھی ادیب اور شعرا ان تقاضوں سے آنکھیں نہیں چرا سکتے۔ ادب کا سرچشمہ حیات ہے۔ ادب پھول ہے تو زندگی کو اس کی خوش بو کہا جاتا ہے۔ ادب اگر جسم ہے تو زندگی اس کی روح ہے۔

وطنِ عزیز میں سماجی مسائل زیادہ تر جاگیرداری اور سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے ہیں۔ لوگوں میں حقیقی تربیت کا فقدان ہے۔ ٹریفک کے قوانین سے لاعلمی کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔

آج دنیا ایک عالمی گاؤں (Global Village) بن چکی ہے۔ معلومات کا حصول آسان اور تیز تر ہو گیا ہے۔ دنیا سے صنعتی فروغ کے ساتھ ساتھ ایک بین الاقوامی مارکیٹ کا تصور ابھرا ہے۔ اس مارکیٹ میں کچھ ممالک نے مختلف ہتھکنڈوں سے اپنا اثر ورسوخ بڑھا لیا ہے جس سے غریب ممالک کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ اسی بدلتی ہوئی صورتِ حال سے ہمارا ادیب آنکھیں نہیں چُرا سکتا۔ اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے اس کوئی روش اور ڈھنگ برتنے ہوں گے۔ اب اس کو جہاں ادب کا جمالیاتی پہلو پیشِ نظر رکھنا ہے وہاں ادب کا افادی اور مقصدی پہلو بھی کسی طور نظروں سے اوجھل نہیں کرنا۔ جیسے جیسے حیاتِ انسانی مشکل اور پیچیدہ تر ہوتی جا رہی ہے ویسے ویسے ادبا اور شعرا کے فرائض میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

نام نہاد عالمی طاقتوں کے قائم کردہ خودغرض، بے حس اور بے ضمیر سماجی نظام نے انسانی زندگی میں خوف وہراس اور بے یقینی کی فضا پیدا کی ہے۔ اس نظام نے حیاتِ انسانی کو بے یارومددگار کر کے چھوڑ دیا ہے۔ پژمردگی، تنہائی، خوف، بزدلی اور قنوطیت نے ہرسُو ڈیرے ڈال دیے ہیں۔ مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی ابھرتی انسانیت دم توڑتی اور اپنی قدروں سے خالی ہوتی جا رہی ہے۔ اس شکست اور محرومی کے مجموعی ماحول نے انسان، ادب اور مستقبل پر ایسے مہیب اثرات ڈالے ہیں کہ کل کا تابناک اور روشن چہرہ نظر نہیں آ رہا۔ اس لیے تو یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ موجودہ عہد کے ادیب کے فرائض منصبی میں بہت کچھ نیا شامل ہو چکا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر عرش صدیقی لکھتے ہیں:

> ''آج کے ادیب کا فرض ہے کہ حق کی ترجمانی کرے۔ ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی حمایت کرے۔ لایعنیت کے منطقوں میں معنویت کی راہیں سجھائے اور یاسیت کی ظلمتوں میں امید کے سورج چمکائے کہ آج کے ادب کے سماجی عمل کا یہی تقاضا ہے۔''(۵)

عہدِ جدید کے جو مسائل انسانیت کے لیے وبالِ جان اور دردِ سر بنے ہوئے ہیں ان کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تعلق اس معاشرے سے ہے جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں۔ ان مسائل کی نوعیت کے حوالے سے ڈاکٹر اے۔ بی اشرف نے اپنی تصنیف ''شاعروں اور افسانہ نگاروں کا مطالعہ'' میں کچھ یوں تحریر کیا ہے:

> ''ہمارے یہاں کے جاگیرداری اور سرمایہ دارانہ نظام نے ان امکانات کو ہمیشہ معدوم کیے رکھا جو مثالی معاشرے کے قیام کا باعث بن سکتے تھے۔ ہوسِ زر اور ہوسِ اقتدار نے خودغرضی، نفسا نفسی، استحصال اور منافقت کو جنم دیا۔ آج ہمارا معاشرہ زوال کی انتہائی حدوں کو چھو رہا ہے۔ رشوت، سفارش، بے ایمانی، جھوٹ،

منافقت اور ہر نوع کی کرپشن اپنے عروج پر ہے۔ کسی میں خلوص نہیں۔قوم اور ملک کا درد نہیں۔ ہر طرف لوٹ مچی ہوئی ہے۔ ذات پات کی تمیز، ادنیٰ اور اعلیٰ کا تصور اور امیر غریب کا فرق عام ہے۔ رواداری، خلوص ومحبت اور مروّت وشرافت کے اعلیٰ جذبے مفقود ہو چکے ہیں۔ معاشرے میں دولت کو بالا دستی حاصل ہے۔ لیاقت، قابلیت، ذہانت اور شرافت کو کوئی پوچھتا نہیں۔ مارشل لاؤں، غیر جمہوری حکومتوں اور بیوروکریسی کی طاقت نے آزادی کا تصور ملیا میٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ کوئی انسان مطمئن نہیں۔ جس معاشرے میں جان و مال اور عزت کا تحفظ نہ ہو، جہاں سوشل جسٹس کا نام نہ ہو، جہاں قانون اور دستور پر عمل نہ ہو، اسے کس طرح اقبالؔ کے خواب کی تعبیر قرار دیا جاسکتا ہے۔''(۶)

سماج کی ٹوٹ پھوٹ کا تاریخی عمل زیادہ وسیع پیمانے پر اس وقت شروع ہوا جب دو عالمی جنگوں کی بدولت دنیا کو اقتصادی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی دور میں سرمایہ دارانہ نظام نے جاگیردارانہ نظام کی جگہ لینا شروع کی۔ اس مشینی اور صنعتی نظام نے بھوک، افلاس، طبقاتی کش مکش، دولت کی غیر مساویانہ اور غیر منصفانہ تقسیم میں اضافہ کر کے استحصال کی ہر شکل کو پھیلایا۔ اس دور میں بھی شعرا اور ادبا اپنے فرائض سے غافل نہیں رہے تھے۔

بھارت نے آج تک پاکستان کے وجود کو دل سے تسلیم نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان واہگہ بارڈر کی چھوٹی سی سرحد بہت بڑی خلیج ہے۔ آج بھارت پاکستان کی سلامتی کے لیے ایک مستقل خطرے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ پاکستان میں پائی جانے والی دہشت گردی کی تمام اقسام کی پشت پناہی بھارت کرتا ہے۔ اس مذموم مقصد کی خاطر بھارت نے افغانستان کو اپنا ہمنوا بنایا ہے۔ بھارت افغانستان اتحاد نے پاکستان کی سلامتی کے مسائل میں اضافہ کیا ہے۔ چین اور پاکستان کے بڑھتے ہوئے گہرے دوستانہ تعلقات بہت سی نام نہاد عالمی طاقتوں کے لیے تشویش کا سبب بن رہے ہیں۔ یہ طاقتیں دنیا میں اپنا وضع کردہ استحصالی نظام قائم کرنا چاہتی ہیں۔ اس تمام صورتِ حال سے ایک ادیب کو نہ صرف آگاہ اور باخبر ہونا ہے بلکہ اپنی تخلیق کی مدد سے اس ظالمانہ روش کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند کرنی ہے۔ اسے اس تخلیق کے ذریعے حق وانصاف کی راہ دکھانی ہے۔ کسی بھی ملک کی سلامتی اور آزادی کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے کندھوں پر آن پڑتی ہے۔ ادیب کی ذمہ داری اس حوالے سے سب سے زیادہ ہوتی ہے کیوں کہ وہ اس معاشرے کا سب سے حساس اور باشعور طبقہ ہے۔

مفلسی اور غربت بھی معاشرے میں بے شمار مسائل کا سبب ہے۔ عدم برداشت، تعلیم کی کمی اور دہشت گردی ان کی ایک وجہ مفلسی اور غربت بھی ہے۔ لہٰذا یہ انتہائی ضروری ہے کہ ایسا نظام تشکیل دیا جائے جس میں معاشرتی اور معاشی انصاف ہو۔ نظام لوگوں کے دکھوں کا مداوا ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ ادیب جمالیاتی اقدار کو پسِ پشت ڈال کر ادب تخلیق کرے۔ اس کی با مقصد تحریروں میں جمالیاتی حسن بھی وافر مقدار میں ہونا چاہیے۔ پاکستان کے تقریباً تمام ادبا اور شعرا نے اس ٹھوس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ کوئی ادب جس سے سماج کا تعلق گہرا نہ ہوگا، وہ ادب اسی قدر کم تر درجے کا حامل ہوگا۔ منشی پریم چند اس حوالے سے کہتے ہیں:

> ''جس ادب سے ہمارا ذوقِ صحیح بیدار نہ ہو، روحانی اور ذہنی تسکین نہ ملے ہم میں قوت و حرکت پیدا نہ ہو، ہمارا جذبۂ حسن نہ جاگے، جو ہم میں سچا ارادہ اور مشکلات پر فتح پانے کے لیے سچا استقلال پیدا نہ کرے، وہ آج ہمارے لیے بے کار ہے۔ اس پر ادب کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ادب ہماری زندگی کو فطری اور آزاد بناتا ہے۔'' (۷)

المختصر آج کے شاعر کو غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو اپنی تخلیقات میں جگہ دینا ہوگی۔ ادیب معاشرے کا فکری رہنما ہے۔ وہ ''کیا ہے؟ کی بجائے کیا ہونا چاہیے'' کے لیے کوشاں رہے گا۔ وہ معاشرے سے فکر و نظر کے جمود کا خاتمہ کرے گا۔ وہ عدم برداشت، لاقانونیت اور اقربا پروری کے کلچر کے خاتمے کے مسلسل سعی کرے گا۔ وہ ان تخلیقات سے تخلیقِ افکار کے ساتھ ساتھ تطہیرِ افکار کا فریضہ بھی احسن طریقے سے نبھائے گا۔ اسے چاہیے کہ وہ سماجی اور معاشی انصاف کی خاطر ہر طرح کے ظالم کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹ جائے۔ ادیب کے لیے ضروری ہے کہ وقت کے تقاضوں کے پیشِ نظر اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے، معاشرے میں رجائیت کی تبلیغ کرے، لوگوں میں جینے کی امنگ پیدا کرے، مایوسیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے لڑنا سکھائے، مظلوم کا ہر ممکن طریقے سے ساتھ دے، ظالم کے ظلم کی بیخ کنی کے لیے ہر ممکن طریقے سے میدانِ عمل میں رہے، ملک و ملت کا وقار و عظمت بڑھانے کے لیے ہر ممکن جتن کرے۔

حوالہ جات

۱۔ وارث سرہندی، علمی اردو لغت، لاہور: علمی کتاب خانہ، ۲۰۱۵ء، ص: ۸۹

۲۔ خاور جمیل، مرتب: ادب، کلچر اور مسائل از ڈاکٹر جمیل جالبی، کراچی: رائل بک کمپنی، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۴

۳۔ عابد علی عابد، سید، پروفیسر، اسلوب، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص: ۶۰

۴۔ آصف ریاض قدیر، ڈاکٹر، مؤلف: نادر و نایاب اشعار، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۵ء، ص: ۷۹

۵۔ عرش صدیقی، ڈاکٹر، محاکمات، لاہور: سارنگ پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص: ۳۳۷

۶۔ اے۔ بی اشرف، ڈاکٹر، شاعروں اور افسانہ نگاروں کا مطالعہ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص:۱۰۳۔۱۰۲

۷۔ محمد عالم خان، ڈاکٹر، مضمون: ترقی پسند تحریک کے فکری تناظر، مشمولہ: نورِتحقیق، سہ ماہی، شمارہ ۵، لاہور: لاہور گیریژن یونیورسٹی، ۲۰۱۸ء، ص: ۱۳۵

☆......☆......☆